ماں اور دھرتی ماں چھوڑنے کی نوبت ہی کیوں آتی ہے؟

تحریر: سہیل احمد لون

گزشتہ دنوں برطانیہ کی کاؤنٹی Essex میں ایک ٹرالے سے 39 لاشیں برآمد ہوئیں جس کے بعد قانون نافذ کرنے والے اداروں نے 25 برس کے آئرش نوجوان Maurice Robinson کو حراست میں لے کر تفتیش شروع کر دی ہے۔ ابھی تک لاشوں کو شناخت مکمل طور پر نہیں ہو سکی مگر یہ بات یقینی ہے کہ مرنے والے تمام لوگ ایشین تھے جو خدوخال سے چینی، تھائی یا ویت نامی لگتے تھے۔ دراصل یہ انسانی سمگلنگ اور منی لانڈرنگ کا کیس ہے اور اس سے قبل بھی ایسے واقعات ہوتے رہے ہیں۔ برطانیہ کی نیشنل کرائم ایجنسی (NCA) کے مطابق یو کے بارڈر ایجنسی نے بارڈر پر بہت سختی کر رکھی ہے اور خصوصاً ٹرکوں اور ٹرالوں کو چیک کرنے کے لیے جدید ٹیکنالوجی کا استعمال بھی کیا جاتا ہے اس کے باوجود لوگ اپنی جانوں کو رسک میں ڈال کر اپنی دھرتی ماں کو خیر باد کہہ کر سہانے مستقبل کا خواب آنکھوں میں سجائے برطانیہ میں غیر قانونی طور داخل ہونے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ 2014ء میں Tilbury Docks Essex میں ایک ٹرالے سے 35 افغانی باشندے پکڑے گئے جن میں سے ایک شخص دم گھٹنے سے اپنی جان سے ہاتھ کھو چکا تھا، 2015ء میں
Staffordshire ایک ٹرک میں لکڑی کے ڈبوں میں انسانی سمگلنگ کی کوشش کی گئی جس میں دو افراد کی لاشیں ملیں، 2016ء میں اٹھارہ برس کے نوجوان کی لاش ایک ٹرالے سے Oxfordshire ملی جو برطانیہ میں اپنی قسمت آزمائی کے لیے آ رہا تھا اسی طرح ایک نوجوان کی لاش Kent کاؤنٹی میں ٹرک سے ملی جو فرانس کے راستے برطانیہ داخل ہوتا اپنی جان سے گیا، 2000ء میں Dover پر ایک ٹرک سے 58 چینی باشندے ٹرالے میں چھپ کر برطانیہ داخل ہوتے دم گھٹنے سے مر گئے ان میں سے صرف ایک چینی زندہ بچا تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر لوگ اپنی جانوں کو داؤ میں لگا کر یہاں کیوں آنا چاہتے ہیں؟ آخر وہ کیا وجوہات ہیں جن کی وجہ سے لوگ دھرتی ماں کو چھوڑ کر یورپ، برطانیہ اور امریکہ کا رخ کرتے ہیں؟ اس خطرناک کھیل میں پاکستانیوں نے بھی اپنی جانیں گنوائیں ہیں، استنبول سے یونان ڈنکی لگاتے نا جانے کتنی ماؤں کے جگر گوشے آبی جانوروں کی خوراک بن چکے ہیں، نا جانے کتنے افراد اٹلی کے بارڈر پر گولی کا نشانہ بنے، کتنے افراد روس میں مارے گئے۔

ماں وہ عظیم ہستی ہے جس کی گود سے ہی سب کی دنیا شروع ہوتی ہے اور اس کے آنچل میں شفقت کے وہ ستارے جگمگاتے ہیں جو اماوس کی سیاہ راتوں میں بھی کبھی مدھم نہیں پڑتے۔ جس کی انگلی پکڑ کر ہم پہلا قدم اٹھاتے ہیں تو ماں کے دل سے دعا اور آنکھوں سے خوشی کے آنسو اور زبان سے حوصلہ افزائی کے وہ کلمات نکلتے ہیں جن کی بدولت ہم تا حیات کامرانی کی طرف قدم بڑھاتے رہتے ہیں اور زندگی کے آخری سانس تک وہ ہمارے ہر قدم پر اسی سچے جذبے سے حوصلہ بڑھاتی رہتی ہے۔ دنیا کے نشیب وفراز کی تھکان بھی اسی کے کندھے پر سر رکھنے سے دور ہو جاتی ہے۔ خدا کے بعد اگر کوئی بے لوث ہو کر حسن سلوک کا مظاہرہ کرتا ہے تو وہ صرف ماں ہے۔ دنیا میں اگر ہم کو سب سے زیادہ

الٰہی صفات کی مالک کوئی ہستی نظر آتی ہے تو وہ ماں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان سے جنت سے بڑھ کر کوئی وعدہ نہیں کیا، نیک اور پارسا انسان کی زندگی کی ہر نیکی صرف رضاء الٰہی اور اُس کے نتیجہ میں حصول جنت کیلئے ہوتی ہے لیکن اس جنت کا مقام یہ ہے کہ یہ ماں کے قدم تلے ہے ۔ ہم جہاں چاہیں چلے جائیں اور جتنی مرضی زبانیں سیکھ لیں مگر جو مزہ مادری زبان یعنی ماں بولی میں ہے وہ کسی اور میں نہیں۔ شاید یہ اسی لئے بھی ہے کہ بچہ یہ زبان ماں کے پیٹ سے ہی سیکھنا شروع کر دیتا ہے۔ دنیا میں ہر شخص خواب تو ضرور دیکھتا ہے۔ جاگتے میں وہ چاہے جتنی مرضی زبانیں بولے مگر خواب ہمیشہ مادری زبان میں ہی آتا ہے۔ ہمارے دیس کی ماں اپنے بچے پہ اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتی ہے مگر ایک شے ایسی بھی ہے جس پہ ماں اپنے لختِ جگر کو قربان کرنا فخر سمجھتی ہے۔ وہ بھی ماں کا دوسرا نام ہے "دھرتی ماں" جس پہ ہماری ہر ماں اپنے دل کے ٹکڑے کو قربان کر کے فخر محسوس کرتی ہے۔ وہ خوش قسمت ہوتے ہیں جن کی زندگی کی ابتدا ماں کی گود اور زیست کی انتہا دھرتی ماں کی گود میں ہو، گود سے گور تک کے اس سفر میں ہمیں بعض اوقات ان دونوں ماؤں سے دور ایک نئی دنیا میں اپنی دنیا بسانی پڑتی ہے۔

ہم میں سے کوئی بھی خوشی سے نہ تو اپنی ماں اور نہ ہی دھرتی ماں کو چھوڑنا چاہتا۔ اس وقت لاکھوں تارکین وطن جانِ عزیز پاکستان کو چھوڑ کر دنیا کے مختلف حصوں میں اپنی قسمت آزمائی کر رہے ہیں۔ اس جلاوطنی کا محرک چاہے سیاسی ہو یا معاشی مگر درد ایک ہی ہے۔ ہم پردیس میں رہنے والوں کی اپنی ماں اور دھرتی ماں سے پیار کی جو شدت ہے وہ ان سے کہیں زیادہ ہوتی ہے جو وطنِ عزیز میں اپنی ماں کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔ یہ فطری عمل ہے کہ جب تک آپ کسی شخص یا چیز کے پاس ہوں اس کی قدر و منزلت کا اندازہ اُتنی شدت سے نہیں ہوتا جتنا اُس سے دور جا کر ہوتا ہے۔ محبت کے جذبے کو صرف اور صرف جدائی کی کسوٹی پہ پرکھا جا سکتا ہے۔ ہم میں سے بیشتر جو کسی بھی حالات کی وجہ سے ماں اور دھرتی ماں چھوڑنے پر مجبور ہوتے ہیں تو ان کو ماں نے اپنے لاڈ پیار سے اتنا سہل پسند بنا دیا ہوتا ہے کہ کچھ پکانا تو دور کی بات پانی کا گلاس تک ہم خود اٹھا کر نہیں لیتے مگر دیارِ غیر میں آتے ہی ہر قدم پہ ہمیں ماں اور دھرتی ماں شدت سے یاد آتی ہیں۔ نا ہی کوئی نازنخرے دیکھنے والی ماں ہے اور نا ہی اپنی مرضی سے ''موجاں'' کروانے والی دھرتی ماں۔ پردیس آ کر جب ہر کام اپنے ہاتھ سے کرنا پڑتا ہے تو بعض اوقات تو ماں کی ماں یعنی نانی بھی یاد آ جاتی ہے۔ اب تو شکر ہے الیکٹرونک ٹیکنالوجی اتنی ایڈوانس ہو چکی ہے کہ انٹرنیٹ اور فون کے ذریعے آدھی ملاقات تو روزانہ ہی ہو جاتی ہے مگر کبھی وقت تھا کہ جب چٹھی پر ہی گزارا کرنا پڑتا تھا۔ ادھر آ کر جہاں احساس ذمہ داری بڑھی وہاں حب الوطنی بھی بڑھ جاتی ہے اور ملک میں رہ کر اس کو برا بھلا کہنے والے جب پردیس میں آتے ہیں تو وہ یہاں کے شفاف سسٹم میں رہ کر اس نتیجے پہ پہنچتے ہیں کہ ہم کو ایک قوم بن کر ملک کی ترقی اور استحکام کیلئے موثر اقدامات کرنا ہوں گے۔ الزامات اور جوابی الزامات کی بجائے دھرتی ماں کی بہتری کے لئے ایک ایجنڈے پہ متفق ہونا چاہئے۔ پردیس میں آئے ہوئے ان جلاوطنوں میں ایک بات مشترک ہے کہ وہ اپنے دیس اور اس میں بسنے والوں کی مشکلات سے بخوبی واقف ہوتے ہیں بلکہ جتنا درد وہ محسوس کرتے ہیں' دیس میں بیٹھے لوگ اتنا نہیں کرتے مگر ان کے ''پردیسی مسائل'' سے دیس والے آشنا نہیں ہوتے۔ وہ مصیبتوں اور پریشانیوں کا ذکر اور حل تو مانگتے ہیں مگر ان جلاوطنوں سے کبھی ان کے مسائل کا نہیں پوچھتے۔ بیچارے اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر پردیس آتے ہیں جہاں زبان، تہذیب، موسم، لباس،

تمدن، سماج اور اقدار سب کچھ نیا ہوتا ہے۔ جس کو سمجھنے میں ان کو کافی وقت لگ جاتا ہے۔ ایک جدائی کا غم اور دوسرا روزگار مسئلہ۔ تیسرا دیسی مسائل۔ ان سب سے وہ اکیلا جنگ کرتا ہے۔

تارکین وطن میں قربانی کا جذبہ بھی دیکھنے لائق ہے۔ پردیس میں رہ کر وہ اپنی خواہشات کا گلا گھونٹ کر اپنے دیس میں گھر بار والوں کو خواہشات کو مقدم رکھتے ہیں۔ محنت کا یہ عالم کہ جس نے اپنے دیس میں کبھی تنکا بھی نہ توڑا ہوا ادھر ہر کام نہ صرف کرنے کو تیار رہتے ہیں بلکہ ہفتے کے 7 دن 12 سے 16 گھنٹے تک بھی کام کرتے نظر آتے ہیں۔ قناعت، عاجزی اور اتحاد کا پہلو بھی ان پردیسوں میں قابل دید ہے ایک چھوٹے سے فلیٹ یا کمرے میں 7، 6 افراد مل کر نہ صرف پیار سے رہ رہے ہوتے ہیں بلکہ ایک دوسرے کے دکھ درد اور تکلیف میں فیملی ممبر کی طرح مدد بھی کرتے ہیں۔ ان میں طالب علم، مزدور، تاجر سبھی شامل ہیں۔

نظم وضبط اور قانون کی پاسداری بھی دنوں میں سیکھ جاتے ہیں۔ اس پر عمل بھی کرتے ہیں۔ موجودہ حالات میں تارکین وطن کی مشکلات تو اور بھی زیادہ ہو گئی ہیں۔ ہمارے ملک پہ جس طرح مکاری اور چالاکی سے دہشت گردی کا لیبل چسپاں کیا جا رہا ہے اس کے اثرات یہاں بسنے والوں پر بھی نمایاں ہیں اور ہم سے بڑی ہوشیاری سے امتیازی سلوک کیا جا رہا ہے۔ ہمارے کسی بھی طالب علم کو محض شک کی بنا پر ہی ملک بدر کر دینا اک عام سی بات ہے جبکہ ہمارے ملک میں کوئی باہر سے آ کر کھلے عام قتل وغارت کرے اس کو اعزاز کے ساتھ چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ہمارے غیر شفاف تعلیمی نظام کی وجہ سے ہمارے اعلیٰ تعلیم یافتہ کی ڈگریاں بھی سوالیہ نشان بن گئی ہیں اور ان کو یہاں پیشہ وارانہ جوہر دکھانے کے لئے پھر سے امتحانوں کے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ اپنے دیس سے نکلتے ہم یہ سوچ رہے ہوتے ہیں کہ اب جاتے ہی یورو، ڈالر یا پاؤنڈ کمانا شروع ہو جائیں گے اور سب مسائل ختم، مگر یہاں پہنچ کر پتہ چلتا ہے کہ دیس سے پردیس آ کر مسائل ختم تو نہ ہوئے مگر ان کی شکل بدل گئی۔ ادھر تو ہر تارکین وطن اپنے ملک کا سفیر ہی نہیں ایک وکیل بھی ہے جو آئے دن ملک میں پیش آنے والے بڑے واقعات پر لوگوں کے چبھتے سوالوں کا جواب دلائل سے دینے کی کوشش کرتا ہیں۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہم اگر پردیس میں آ کر محنتی، قربانی کے جذبے سے سرشار، متحد، عاجز، قانون کی پاسداری کرنے والے محبّ الوطن ہو سکتے ہیں تو اپنے ملک میں رہ کر ان خصوصیات کو استعمال کیوں کرتے؟ آخر دیس کا سارا ٹیلنٹ دوسرے ممالک کو ہی فائدہ کیوں دے؟ سب سے پہلے پاکستان کیوں نہیں؟ آخر وہ کیا وجوہات ہیں کہ اک ماں یا بیوی اپنا زیور بیچ کر اپنے لخت جگر یا جان من کو پردیس بھیج کر خود جدائی کا زہر پینے کو ترجیح دیتے ہیں؟

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ کوئی بھی ملک چھوڑنا نہیں چاہتا کیونکہ ہر کوئی ماں اور دھرتی ماں سے عشق کرتا ہے اور پردیس میں چاہے خواہ جتنی دیر رہے ہر کسی کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کی گور دھرتی ماں میں ہی ہو۔ امریکہ، برطانیہ اور یورپ سمیت دیگر ترقی یافتہ ممالک کو اس بارے میں ہنگامی بنیادوں پر کام کرنے کی ضرورت ہے کہ ترقی پزیر اور غریب ممالک کے وسائل پر قبضہ کر کے ان پر حکمرانی کرنے کی بجائے ان کو ایسے حالات پیدا کرنے میں مدد کرے کہ لوگوں کو ماں اور دھرتی ماں چھوڑنے کی نوبت نہ آئے۔ جب تک ترقی یافتہ ممالک جیو اور جیو دو کی پالیسی عملی طور پر نہ اپنائیں گے لوگ اپنی جانیں رسک میں ڈال کر ماں اور دھرتی ماں کو چھوڑ کر یہاں آتے رہیں گی۔

تحریر: سہیل احمد لون
سربٹن۔سرے
sohailloun@gmail.com
27-10-2019